معاصر اُردو تحقیق۔ چند حقائق و گزارشات

ڈاکٹر طارق محمود ہاشمی/ ڈاکٹر ظفر حسین ہرل

Abstract:

Research work is a very technical job. More over it depends on the concepts of literary circle in which researchers do this job. In urdu literature the concept of research is based on searching the truths about past. This was because of the fact that there were no such facilities of publication and most of the literary work was in form of hand written script. Another reason is the keen interest of findings the linguistical roots of urdu.

In this perspective there is no such trend in urdu research to find the contemporary facts about language and literature. Researchers interest is much less to solve contemporary linguistic problems of urdu such as preparation of a dictionary which should consist of new vocabulary. Researcher take very less interest to find new metaphors and other stylistic tools of contemporary writers..

"تحقیق کیا ہے؟" کے سوال کے جواب میں کئی ایک اہم بیان ایسے ہیں جن سے ہم عملِ تحقیق کی ماہیت کے بارے میں قدرے واضح طور پر سمجھ سکتے ہیں لیکن اردو تحقیق کے وسیع تر نظری مباحث کے باوجود شاید اب تک کوئی ایسا بیانیہ وضع نہیں کیا جا سکا جس کی بنیاد پر اردو کی ادبی تحقیق کو قدیم تصورات کے حصار سے باہر لا کر کسی نئی سمت کا تعین کیا جاتا، تاکہ اردو زبان وادب کے عصری حقائق کے بارے میں اہم نتائج مرتب کیے جا سکتے ہیں۔

اردو تحقیق کے اہداف کیا رہے ہیں اور ان کے حصول کے لیے ہمارے محققین نے کیا طرزِ عمل اختیار کیا۔ اس سوال کے جواب سے قبل ڈاکٹر گیان چند جین کا ایک ملاحظہ ہو۔ "تحقیق کا فن" کا پیش لفظ رقم کرتے ہوئے نے لکھا ہے:

"انگریزی میں تحقیق کا معیار بلند نہیں۔امریکہ میں بطورِ خاص پست ہے۔وہاں بی اے میں پہلے سال ہی ریسرچ پیپر یا پورٹ لکھوانے لگتے ہیں۔ایم اے کرتے کرتے پورا زور ختم ہو جاتا ہے۔انگریزی میں اُس دقیق تحقیق کا رواج نہیں ہے جسے قاضی عبدالودود نے فروغ دیا لیکن انگریزی میں طریق تحقیق پر منضبط ڈھنگ سے لکھا گیا ہے۔"(۱)

عجیب سی بات ہے کہ ہم تحقیق ایسے علمی ضابطے کے معیارات کے تعین میں بھی مشرق و مغرب کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ڈاکٹر گیان چند جین کے مذکورہ بیان کی روشنی میں ایک سوال تو یہ ہے کہ تعلیم کے ابتدائی درجوں میں طالب علموں کو تحقیق کے عمل سے گزارنے کی تربیت سے تحقیق کا معیار کیسے پست ہو جاتا ہے اور اگر تحقیق کے طریق کار پر اچھی کتب رقم کی گئی ہیں تو یہ نظری یا تکنیکی مباحث عملی میدان میں ایسی کوئی رہنمائی کیوں مہیا نہیں کر رہے ہیں کہ یورپ اور امریکہ میں عملی تحقیق کا معیار بلند ہو۔

سوال یہ بھی جنم لیتا ہے کہ اردو میں جس دقیق تحقیق کا رواج ہوا ہے اس کے اب تک حاصلات کیا ہیں اور وہ کیا بنیادی تصورات ہیں جن پر ہماری اس دقت پسند تحقیق کی "پر شکوہ" عمارت کھڑی کی گئی ہے۔نیز اس کی چھت تلے اردو زبان و ادب کے معاصر مسائل کس حد تک حل ہوئے ہیں؟

اردو تحقیق کے تاحال حاصلات یقیناً اہم ہیں اور ہمیں اپنے معتبر تحقیق کی کاوشوں کو تحسین اور قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے تاہم بعض ایسے تصورات پر حرف استفہام بھی رقم ہوتا ہے جن کی بنیاد پر اردو تحقیق کے ماحول میں ان کاوشوں کی طرف توجہ نہیں کی گئی جو بہت ناگزیر تھیں اور فی زمانہ اردو زبان و ادب کی اہم عصری ضرورت بھی ہیں۔

اردو تحقیق کا عمل کئی ایک سنگ میل عبور کرتے ہوئے اب تک ایک طویل سفر طے کر چکا ہے اور اس دائرے میں جامعات کے توسط سے ایک وسعت بھی آئی ہے۔نیز گذشتہ چند برسوں میں جامعات کے شعبہ ہائے اردو میں متنوع موضوعات پر ہونے والے کام سے تحقیقی رفتار میں بہت اضافہ ہوا ہے۔یہ رفتار بہت حوصلہ افزا سہی لیکن بعض حوالوں سے اس رفتار پر منیر نیازی کا ایک مصرعہ صادق آتا ہے کہ :

کہ حرکت تیز تر ہے اور سفر آہستہ آہستہ

یا پھر قابل اجمیری کا یہ شعر :

راستہ ہے کہ کٹتا جاتا ہے
فاصلہ ہے کہ کم نہیں ہوتا

مسلسل سفر کے بعد بھی فاصلے میں کمی کے احساس کا باعث بعض استفسارات کو نظر انداز کر دینا ہے خصوصا یہ سوال کہ اردو تحقیق کی عصری معنویت کیا ہے اور تحقیق کے حاصلات کا زبان وادب کے معاصر زمینی حقائق سے کیا تعلق بنتا ہے؟

اردو تحقیق کے سرمائے پر غور کریں تو اردو محققین کی توجہ کا زیادہ تر مرکز لسانی سطح پر اردو زبان کی ابتدائی سوتوں سے متعلق حقائق کی کھوج رہا یا ادبی لحاظ سے کلاسیکی عہد کے تخلیق کار اور ان کے ادبی متون کی تلاش اور تدوین۔

مذکورہ رجحانات کی اپنے دور میں معنویت یہ تھی کہ اردو زبان کی جائے پیدائش یا اس سے متعلق دیگر حقائق کے بارے میں کوئی خاص آگہی موجود نہ تھی اور یہ ضروری تھا کہ اردو زبان کی تشکیل کے سماجی، تاریخی تناظرات اور لسانی ارتقا کے بارے میں شواہد جمع کر کے نتائج کا تعین کیا جائے۔ اس کے علاوہ قدیم شعرا اور نثر نگاروں کے تخلیقی متون جو چھاپہ خانے کی عدم دستیابی کے باعث مخطوطات کی صورت میں محفوظ تھے، قارئین تک رسائی کے لیے ان کی تدوین کی جائے۔

یقیناً یہ قابل قدر اور لائق اہمیت امور تھے لیکن تحقیق کے ان رجحانات کے باعث جو تحقیق کا بیانیہ تشکیل پایا وہ یہ تھا کہ جستجو کی جائے کہ پرانا کیا ہے؟ مگر اس سوال کو معرض توجہ میں کم ہی لایا گیا کہ نیا کیا ہے؟ یعنی زبان و ادب کے بارے میں ایسے کسی سوال پر خاطر خواہ غور نہیں ہوا جس سے عصری حقائق کے بارے میں کوئی اہم انکشاف سامنے آئے۔ اور اس کے توسط سے یہ جانا جائے کہ زبان کی یا تخلیقی ادب کی موجودہ صورت حال کیا ہے؟ نیز اس صورت حال سے کیا خدشات سامنے آئے ہیں یا یہ صورت واقعہ کن روشن امکانات کا پتا دے رہی ہے؟

دنیا بھر میں ہونے والی تحقیق، چاہے سائنس سے متعلق ہو یا سماجی علوم کے بارے میں اپنی توقع اس امر پر صرف کرتی ہے کہ نئے حقائق سامنے لائیں جائیں اور نئے انکشافات کیے جائیں۔ محققین جو فرضیہ تحقیق تشکیل دیتے ہیں اس میں کسی نئی حقیقت تک رسائی کا اشارہ دیا جاتا ہے اور تحقیقی عمل کے نتیجے کے طور پر کوئی نیا انکشاف کیا جاتا ہے۔ جس میں عصری صورت حال کا تجزیہ اور مستقبل کی طرف پیش قدمی کے لیے علمی سہولت فراہم کی جاتی

ہے۔اس تناظر میں اردو تحقیق کو دیکھا جائے تو وہ آج بھی ماضی کی بھول بھلیوں میں کہیں کھوئی ہوئی نظر آتی ہے۔ڈاکٹر تلک سنگھ نے تحقیق کی تعریف کرتے ہوئے بہت جامع بات لکھی ہے کہ :

> ''تحقیق علم کا وہ شعبہ ہے جس میں منتظم لائحہ عمل کے تحت سائنسی اسلوب میں نامعلوم و ناموجود حقائق کی کھوج اور معلوم و موجود حقائق کی کھوج اور معلوم و موجود حقائق کی نئی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ علم کے علاقے میں توسیع ہوتی ہے۔''(۲)

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اردو تحقیق میں زبان و ادب کے عصری حقائق کی کسی حد تک کھوج لگائی گئی ہے اور اس وسیلے سے کتنی علمی وسعت اپنے ٹھوس نتائج کے ساتھ سامنے آئی ہے؟ کیا محض ماضی کی پڑتال تحقیق ہے یا معاصر ادب کے نامعلوم و ناموجود حقائق کی جستجو بھی اس تلاش کے زمرے میں آتی ہے۔

اردو زبان کے لسانی حقائق کے سلسلے میں ماضی کی کھوج بہت قابل قدر ہے لیکن اردو محققین سے زبان کے معاصر زمینی حقائق کے بارے میں کوئی سوال کیا جائے تو خاطر خواہ جواب شاید ہی مل سکے۔اردو زبان جس کا خمیر عربی آمیز فارسی اور ہندی کے تال میل سے تیار ہوا لیکن اب جب کہ یہ زبان ایک طویل زمانی ارتقا کے عمل سے گزر چکی ہے۔عربی، فارسی اور ہندی کے الفاظ و تراکیب، محاورات اور ضرب الامثال اب عام روزمرہ زبان تو کیا شاعروں اور ادیبوں کی تخلیقات سے بھی بتدریج غائب ہو چکے ہیں نیز مقامی زبانوں کے الفاظ، محاورات اور ضرب الامثال کا ایک وسیع ذخیرہ شامل ہو چکا ہے لیکن اردو لغات کی صورت حال یہ ہے کہ آج بھی فرہنگِ عامرہ، نور اللغات اور فرہنگ آصفیہ پر اکتفا کیا جاتا ہے اور اردو زبان کا کوئی ایسا معاصر لغت موجود نہیں جو موجودہ لسانی صورتحال سے جڑا ہوا ہو۔محمد عبداللہ خویشگی نے ''فرہنگِ عامرہ'' کی افادیت بتاتے ہوئے لکھا ہے:

> ''یہ فرہنگ اردو اور فارسی کے طالب علموں کے لیے یکساں مفید ہے ماسوائے اس کے علوم و تمدن کے ارتقا کے ساتھ روزافزوں اخباری لٹریچر، مختلف العنوان تازہ تراجم، روزانہ نئے جدید انکشافات واکتشافات اور نت نئی ایجاد نے بے شمار نئے نئے الفاظ و لغات کی ضرورت ہماری زبان میں آئے دن پیدا کر رکھی ہے۔''(۳)

۱۹۳۷ء میں خویشگی صاحب زبان کے زمینی حقائق کو تسلیم کر رہے ہیں مگر آج ۸۰ برس گزر جانے کے بعد اردو زبان ایک جامع معاصر اردو لغت کو ترس رہی ہے۔نور اللغات کے مولف نے اس سلسلے میں ایک دلچسپ کام کیا تھا جسے آگے بڑھنا چاہیے تھا جو بوجوہ ممکن نہ ہو سکا۔مولوی نور الحسن نیر کے بقول:

"اردو میں جو تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ان کو موقع سے نوراللغات میں ظاہر کر دیا ہے۔"(۴)

مولوی نورالحسن نیر نے نہ صرف ان تبدیلیوں کو ظاہر کیا ہے بلکہ بعض انگریزی الفاظ کے تلفظ کو واضح کرنے کے لیے ایسے شعر بھی تخلیق کیے جن میں نئے الفاظ کو استعمال کیا۔

ان حقائق کو بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے معتبر لغت نگار زبان کے معاصر حقائق کا پورا ادراک رکھتے تھے اور حتی الوسع اپنے تیار کردہ لغت کو ان حقائق سے جوڑتے تھے مگر افسوس کہ اب ایک عرصہ ہوا ہمارے محققین نے اردو زبان کا کوئی معاصر لغت تیار نہیں کیا۔

امریکہ اور برطانیہ میں ہونے والی تحقیق کو بیشک ہم پست قرار دیں لیکن زبان کے عصری حقائق کے سلسلے میں ان ممالک میں معاصر لغت کی ایک مضبوط روایت موجود ہے اور ماہرینِ لسان ہر سال یا ہر چند سال بعد ایسا لغت تیار کرتے ہیں جس میں الفاظ و محاورات کے ترک و تداول کا جائزہ لیتے ہوئے ترک ہونے والے عناصر کو لغت سے خارج اور استعمال میں آنے والے نئے الفاظ و محاورات کو شامل کر لیا جاتا ہے اور یوں زبان کے معاصر زمینی حقائق کا جائزہ لیتے ہوئےاس امر کی کھوج لگائی جاتی ہے کہ نیا کیا ہے؟

کیا اردو کی لسانی تحقیق کے سامنے ایسا کوئی سوال پیش نظر رہا ہے کہ گزشتہ سو برس، پچاس برس یا بیس برس میں زبان کن تبدیلیوں کے عمل سے گزری ہے اور فی زمانہ اردو زبان کے زمینی حقائق کیا ہیں؟ کیا ہماری جامعات میں ایسے کسی سروے کی روایت ہے جس یہ جانا جاسکے کہ ہر دس یا بیس برس کے بعد کتنے اور کس نوع کے الفاظ کا استعمال ترک ہوا ہے اور اس کے پس منظر میں کیا سماجی عوامل کارفرما ہیں۔نیز معاشرے کے کس طبقے، شعبے یا پیشے سے وابستہ افراد میں زبان کے بارے میں کیا رویہ پایا جاتا ہے؟ کیا ہم نے کسی مخصوص زمانی عرصے ہیں شائع ہونے والی تخلیقی ادب کی کتب کے مطالعے سے زبان کے بارے میں عصری حقائق جاننے کی کوشش کی ہے؟

اردو کی لسانی تحقیق کی طرح ادبی تحقیق کی صورت حال کو بھی دیکھا جائے تو عصری معونیت کے تناظر ہیں بعض اہم سوالات موجود ہیں۔

یورپی ممالک میں چونکہ طباعت کا رواج کئی صدیوں سے ہے لہٰذا ادیبوں کے کلاسیکی متون کی تدوین کی ویسی ضرورت نہیں محسوس کی گئی جیسی کہ ہمارے ہاں اور فی زمانہ اگر کوئی قدیم نسخہ یا نایاب کتاب دستیاب بھی ہوتی ہے تو اسے دقیق تحقیقی مشق کا حصہ بنانے کے بجائے جدید ذرائع ترسیل کو اہمیت دی جاتی ہے۔یعنی اس کی تدوین کر

کے یا اسے کسی تحقیقی مقالے کے ذریعے متعارف کرانے کے بجائے کسی علمی ویب سائٹ پر اس کا مکمل عکس دے کر قارئین کی اس تک رسائی کو ممکن بنایا جاتا ہے۔ دلچسپ امر ہے کہ ان ویب سائٹوں پر Share کا آپشن موجود ہوتا ہے جس میں اپنے مطالعہ کاروں کو یہ دعوت دی جاتی ہے کہ اگر اُن کے پاس کسی نادر و نایاب کتاب کا نسخہ ہے تو وہ اس حصے میں برائے مطالعہ Share کر سکتے ہیں۔

اس کے برعکس ہمارے ہاں قدیم نسخوں کے تعارف پر مبنی تحقیقی مقالات لکھے جانے کا رواج پختہ ہے جس میں نسخے کے سائز، چھاپہ خانے، خط کی نوعیت اور دیگر ایسی معلومات بہم پہنچا کر ایک علمی دھاک بٹھائی جاتی ہے۔ حالانکہ اردو قارئین کے لیے بھی گزشتہ چند برسوں میں ایسی ویب سائٹس تشکیل دی جا چکی ہیں جن پر نادر و نایاب کتب کی رسائی کو سہل بنا دیا گیا ہے اور ہمارے تازہ تر محققین اِن سے خاطر خواہ استفادہ کر رہے ہیں۔ اس تناظر میں کسی نایاب نسخے کی بنیاد پر کوئی تعارفی تحقیقی مضمون رقم کرنا کسی تکلف سے زیادہ نہیں لگتا۔[۵]

اردو کے تحقیقی ماحول میں اہلِ قلم اور صاحبانِ دانش کے مکاتیب کی تدوین کی روایت بھی موجود ہے۔ اردو نثر کے ارتقا میں غالب کے خطوط کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں لیکن اردو کے ادبی ماحول میں ان کو وقعت ملنے کے بعد ہر نوع کے خطوط کی اہمیت کی بدعت کا آغاز ہو گیا ہے۔ یہ خطوط تدریسی عمل کا حصہ بھی بنے، تنقید کی دنیا میں بھی اہمیت اختیار کی اور تحقیقی ماحول میں ایک اہم دستاویز کے طور پر شامل ہو گئے۔ یہ امر حیران کن بلکہ افسوس ناک ہے کہ خطوط کو بعض اہلِ نقد نے صنف تک درجہ دے دیا۔ ڈاکٹر خورشید الاسلام کا ''خطوط نگاری'' کے عنوان سے مضمون اِس سلسلے میں لائقِ مطالعہ ہے جس میں انھوں نے اردو میں خطوط نگاری کو باقاعدہ ایک ادب صنف کے تناظر میں دیکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''مکتوب نگاری کیونکہ ادب کی سب سے آسان صنف ہے، اس لیے خوب پروان چڑھی۔''[۶]

موصوف نے اس سلسلے میں یورپی ادب سے بھی بعض حوالے دیے ہیں لیکن اُن کی دی ہوئی بیشتر مثالیں ادب میں مکتوب کی تکنیک کی ہیں نہ کہ حقیقی مراسلہ نگاری کی۔ اردو تحقیق و تنقید میں اس ضابطے کے باعث خطوط کو غیر معمولی اور ناروا حد تک اہمیت حاصل ہو گئی۔

اردو کے ادبی رسائل کے مکاتیب نمبر شائع کیے، جس کسی کے پاس کسی ایک یا اس سے زائد کچھ خطوط جمع ہو گئے تو انھیں کتابی صورت میں بھی مع حواشی و تعلیقات شائع کیا گیا۔ اگر مدوّن خطوط کے مذکورہ سرمائے کا جائزہ لیا

جائے تو مشکل سے کوئی 3 سے 4 فیصد خطوط ایسے ہوں گے جن میں کوئی اہم تحقیقی نکتہ موجود ہو گا اور وہ بھی ادبی تخلیقات کے بجائے تخلیق کاروں کی شخصیت و سوانح کے بارے میں۔

اردو کے ادبی ماحول میں تحقیقی رجحانات اور تصورات کی روشنی میں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ ہماری تحقیقات کے دائرہ قرات کی حدود کیاہیں اور یہ کتنی موثر ہیں؟ یہ تحقیقات اردو کے تدریسی ماحول پر کس حد تک اثر انداز ہو رہی ہیں۔ اردو معاصر ادب کے بارے میں تحقیقات کس حد تک طالب علموں کی رہنمائی کن کن جہتوں سے کر رہی ہیں؟ نیز نصابات کی تبدیلی میں ان کا کیا کردار ہے؟اردو کے طالب علموں کو معاصر ادب اور تخلیقات سے اس لیے واقفیت نہیں کہ ہمارے تحقیقی ماحول میں معاصر ادب کی اہمیت نہیں ہے یا بہت کم ہے۔ کسی نسل کے فکری یا اسلوبی رجحانات پر چند ایک تنقیدی مضامین تو رقم ہو جاتے ہیں لیکن دہائیاں گزرنے کے باوجود بھی وہ جامعات کے کسی تحقیقی منصوبے کا حصہ نہیں بنتے اور ایک طویل عرصے تک جب کہ کسی صورت واقعہ پر مغالطوں کی ایک گرد جم جاتی ہے، تحقیق کی ابتدا ہونے لگتی ہے۔

یہی صورت حال انفرادی سطح پر تخلیق کاروں پر ہونے والی تحقیق کی ہے۔ نقد و تحقیق سے متعلق ہماری معتبر ہستیاں کسی تخلیق کار پر اس وقت قلم نہیں اٹھاتیں جب تک کہ اس کا کوئی مقام متعین نہ ہو جائے اور بد قسمتی سے مقام کے تعین کا وسیلہ یا تو عام قارئین کا پست ذوق بن جاتا ہے یا ذرائع ابلاغ کے ذریعے ملنے والی شہرت۔ اردو تحقیق اگر بعض سوالوں کے جواب کی جستجو میں تاخیر نہ کرے تو شاید اتنی دقیق بھی نہ ہو جتنی کہ ہمارے معتبر محققین کو محسوس ہوتی ہے۔

یہ پہلو بھی بہت عجیب ہے کہ معاصر ادب پر رقم کی گئی تحریر کو صرف تنقید کے ذمرے میں رکھا جاتا ہے اور اسے تحقیق نہیں سمجھا جاتا حالانکہ معاصر ادب پر لکھنا ہی تحقیق ہے کہ لکھنے والا ایک نئی تخلیق اور اس کے فکری و اسلوبی مضمرات کو قارئین کے سامنے لا کر تحقیق کے ایک اہم عصری فریضے کو پورا کر رہا ہوتا ہے۔

ایک المیہ یہ ضرور ہے کہ بیشتر اردو تنقید نے بھی تحقیق کو بنیاد نہیں بنایا۔ اردو میں اگر تحقیق اساسی تنقید کی شرح دیکھی جائے تو انتہائی کم سامنے آئے گی مثلاً شاعری پر ہونے والی تنقید میں کلیم الدین احمد، وزیر آغا، سلیم احمد اور عقیل احمد صدیقی کے علاوہ کتنے نام ایسے سامنے آتے ہیں جنھوں نے اپنی رائے قائم کرنے کے لیے تحقیق کو بنیاد بنایا ہو۔

جامعات کے تحقیقی جرائد کے توسط سے اب جبکہ تحقیق سے خود اساتذہ کی ایک بڑی تعداد وابستہ ہے۔ طالب علموں کی بروقت رہنمائی کے وسائل بھی ہیں اور اسے سہل بھی بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن سوال پھر وہی ہے کہ معاصر ادب کے ساتھ محققین اور اساتذہ کی جڑت کتنی ہے اور شاعروں اور ادیبوں کی تازہ تر تخلیقات سے وہ کس حد تک آگاہ ہیں؟

اردو کی مروجہ تحقیق کے بیانیے میں عصری معنویت کی گمشدگی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ہمارے ہاں بین العلومی رجحانات کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ گذشتہ چند برسوں میں سماجی اور تاریخی پس منظر نامی تحقیقی مقالات کی ایک سیریز تو شروع ہوئی لیکن ان میں پیش کردہ مسائل کا زیادہ تر تعلق سیاست اور معیشت کے توسط سے طبقاتی معاملات سے رہا اور سماج کے وہ بہت سے مسائل جو جدید صنعتی عہد ابھرے ہیں ان سے مَس بہت واجبی سا دکھائی دیتا ہے۔

اردو تحقیق کے بیانیے کی فرسودگی کی ایک بڑی وجہ محققین کا جدید مشینی ذرائع تحقیق یا دقت اطلاعات سے متعلق آلات سے دوری بھی ہے۔ دنیائے تحقیق اوراق سے سکرین پہ آگئی ہے مگر اردو محققین کی سکرین سے آشنائی واجبی سے ہے، جس نے بہت سے مسائل کو کم اور رسائی کے ذرائع میں اضافہ کر دیا ہے۔ کتب کی سوفٹ کاپی بھی اب ایک پرانی بات ہو گئی ہے۔ اب تو Applications متعارف ہو چکی ہیں۔ جس سے اشاریہ سازی بھی ایک بازیچہ اطفال بن گئی ہے۔ حال ہی میں اردو ڈکشنری بورڈ نے ''اردو لغت۔ تاریخی اصول پر'' اور اقبال اکیڈیمی نے ''کلیات اقبال'' کی Application تیار کر کے انہیں ایک عظیم منصوبے کی تکمیل قرار دیا ہے۔ حالانکہ اس نوع کی Applications اب سے چند برس پہلے نجی طور پر بعض افراد نے بھی تیار کی ہیں اور وہ مذکورہ اداروں کی تیار کردہ Applications سے کہیں بہتر ہیں۔

اردو کی مروجہ تحقیق کے بیانیے کی روشنی میں یورپ اور امریکہ میں بی اے سطح پر ریسرچ پیپر یا رپورٹ لکھوانے کی صورت میں ہمیں وہاں کی تحقیق کا معیار تو پست نظر آتا ہے۔ لیکن یہ سوال ضرور ہمارے پیش نظر رہنا چاہیے کہ ہمارے ہاں ایم فل اور پی ایچ ڈی سطح پر تحقیق کے نام پہ جو کترچسپاں (Cut and Paste) نوع کی تنقید فروغ پا رہی ہے۔ اس کا تعلق زبان و ادب کے زمینی حقائق سے کتنا ہے اور ان مقالات میں کیا نیا انکشاف ہوا ہے جس سے ہمارے ادبی ماحول میں کسی نئی بحث کا آغاز ہو۔

ہم اپنی جامعات میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کی اسناد کے ذریعے مدرس نوعیت کے ناقدین کی تو شاید نئی سے نئی مگر غیر فطری صف بندی کیے جا رہے ہیں لیکن شاید ایسے محققین نہیں پیدا کر رہے جو زبان وادب کے بارے میں کسی نئے انکشاف کی طرف جا رہے ہوں۔

جس طرح تنقیدی روش میں تبدیلی لانے کے لیے ردِّ تشکیل کے نظریے کو فروغ ملا ہے اردو تحقیق کے تناظر میں بھی ردِّ تشکیل کی بڑے پیمانے پر ضرورت ہے۔ جب تک اردو تحقیق رائج بیانیے "قدیم کی تلاشِ محض" سے جڑتے رہے گی ہمارا تحقیقی عمل زبان وادب کے بارے میں کسی تازہ انکشاف کی طرف نہیں جا سکے گا۔ اردو تحقیق زبان کے تحقیقی حقائق اور معاصر تخلیقی اثاثے سے وابستگی کے لیے "تلاشِ تازہ" کے متبادل بیانیے کی طرف رجوع وقت کا اہم تقاضا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) ڈاکٹر گیان چند جین، تحقیق کا فن، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء، ص ۱۰

(۲) ڈاکٹر تلک سنگھ، نویں شودھ وگیان، دلی: پرکاش سنستھان، ۱۹۸۶ء، ص ۲۰

(۳) عبداللہ خویشگی، فرہنگِ عامرہ، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۷ء، ص ۵

(۴) نور الحسن نیر، نور اللغات، اسلام آباد: نیشنل بک فائونڈیشن، ۲۰۰۶ء، ص ز

(۵) اس سلسلے میں درج ذیل اہم ویب سائیٹس قابل ذکر ہیں:

(i) http://lib.bazmeurdu.net/

(ii) http://kitaben.urdulibrary.org

(iii) http://www.urdulibrary.org

(iv) http://www.kitabmela.com

(v) http://www.urdurisala.com

(۶) ڈاکٹر خورشید الاسلام، خطوط نگاری، مشمولہ اردو نثر کا فنی ارتقا، مرتبہ: ڈاکٹر فرمان فتح پوری، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص ۴۰۱